

تلاش

انسانیت کی راہ میں انساں چلا گیا
دکھ درد کی تلاش میں درماں چلا گیا

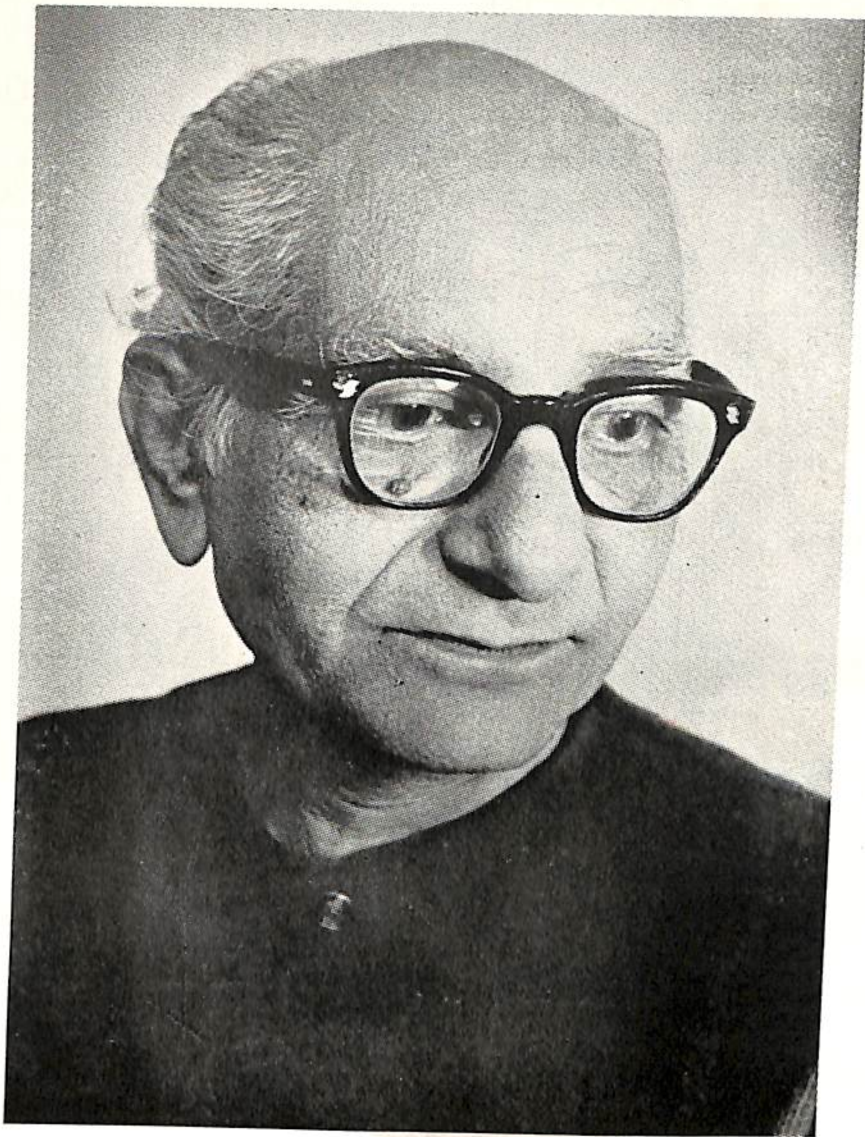
پنڈت گوکل چند حسرت شوری دہلوی

تلاش

حسرت شوری

پہلی بار:- جنوری ۱۹۷۷ء
تعداد اشاعت:- گیارہ سو
قیمت:- دس روپے
کتابت:- عاصی رامپوری
مطبع:- جمال پریس دہلی ۶

ناشر:- پنڈت گوکل چند شوری بی اے، ایل ایل بی
پتہ:- بی ۴۲ ڈی ڈی اے فلیٹ (ایم، آئی، جی) راجوری گارڈن نئی دہلی ۲۷
فون نمبر ۵۸۸۸۸۵ (588885)



پنڈت گوکل چند حسرتؔ شوری

بی اے، ایل ایل بی - دہلی

تلاش

حسرت شوری
دھلوی

مجھے اعتبارِ محبت نہیں ہے
محبت نے مجھ پر بھروسا کیا ہے

تعارف

جناب پنڈت گوکل چند شوری حسرت دہلوی بی اے ایل ایل بی نے
ازراہ کرم الہ آباد میں مجھ سے ملاقات کی اور اپنے بہت سے پسندیدہ اشعار
سے مجھے نوازا۔ میں نے یہ محسوس کیا کہ موصوف کا مذاق شاعری اور
مذاق شعر گوئی میرے وجدان و مذاق سے کچھ مختلف ہے۔ میں شاعری میں
تصوّر کی معصومی، گھلاوٹ، رمزیت اور تاثیر کا دلدادہ ہوں۔ جب کہ
جناب حسرت دہلوی کے کلام میں جو خاص چیزیں مجھے نظر آئیں وہ بیان کی
صفائی۔ زبان کی سلاست، حاضر دماغی اور اسلوب کی چستی ہیں۔ ان
کے کلام میں فنّی معادیت اور خامیاں یا غلطیاں تقریباً نظر نہیں آئیں جس
کے لئے ان کی مشقِ سخن اور سُوجھ بُوجھ داد کی مستحق ہے۔ زبان کے چٹخارے
اور کہیں کہیں بیان کی شوخی جاذب نظر ہیں۔ اس زمانے میں جب اُردو زبان
سے واقفیت اور مانوسیت کے تمام مواقعے اہل وطن سے چھینے جا رہے ہیں۔
جناب حسرت کی لسّانی اور فنّی وضع داری کو خُوش سلیقگی سے نبھانا بہت غنیمت ہے

حسرت صاحب اپنے کلام کا مجموعہ یا انتخاب شائع کرنا چاہتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ جن لوگوں کے لئے ایسی شاعری کی لطافت کشش رکھتی ہے وہ اس مجموعہ کو ضرور پسند کریں گے اور ایسے حضرات سے جناب حسرت کی شاعری ضرور داد حاصل کریگی

فراق گورکھپوری
11-10-72

مقدمہ

جناب گوکل چند حسرت شوری ایک معمر، خدا پرست اور وضعدار انسان ہیں۔ دہلی کی قدیم روایتی تہذیب نے ان کو وضعداری اور خوش خُلقی عطا کی ہے۔ ان کو گنگا جمنی تہذیب کی خوش رنگ اور مُسکراتی ہوئی تصویر کہا جا سکتا ہے ان کی شاعری بھی شستہ برجستہ اور مہذّب ہے وہ ایک کہنہ مشق اور تجربہ کار فنکار ہیں۔ یہ ان کی نکرِ لطیف اور ذوقِ سلیم کی بات ہے، وہ ایک اچھے انسان ہیں، اس وجہ سے ایک اچھے شاعر بھی، ان کا زیرِ نظر مجموعہ جس قدر مُختصر ہے اسی قدر اہم، یہ چھوٹا سا مجموعہ غزلیات قطعات اور متفرقات پر مشتمل ہے، انھوں نے جو کچھ بھی کہا ہے اس میں طہارتِ نفس، پاکیزگیِ جذبات اور خلوصِ نیت کار فرما ہے، ان کے شکرِ نعمت میں بھی خلوص ہے اور شکایتِ غم میں بھی خلوص۔ وہ جدھر سے گزرے ہیں زندگی سے قریب ہو کر گزرے ہیں، ان کے کلام میں تغزل کی رنگ آمیزی بھی ہے، حیات کے نشیب و فراز بھی، محبت کی داستان میں حقیقت اور اظہارِ حقیقت میں عقیدت، ان کی زبان میں جتنی سادگی ہے اندازِ بیان میں اُتنی ہی پرکاری۔ وہ جو کچھ کہتے ہیں محسوس کر کے کہتے ہیں۔ مثلاً

گو واقفِ رازِ در و دیوار ہوں حسرت
پر آگ لگانے کے لئے گھر تو بنا لوں

ایک شعر اور ملاحظہ فرمائیے ؎

پھونک کر دل کو مرے دیکھ تو لیجے صاحب
آگ لگ جائے اگر گھر میں تو کیا ہوتا ہے

زندگی کی دشواریوں سے وہ دامن کشاں یا بے واسطہ ہو کر نہیں گزرتے بلکہ انھیں محسوس کرتے ہیں، وہ دشواریوں کا حل تلاش نہیں کرتے بلکہ ان کا سبب ڈھونڈھتے ہیں اور پھر کس انوکھے انداز سے کہتے ہیں کہ ؎

اُلجھے حالات غنیمت تھے مجھے
اور سُلجھا کے اُلجھ بیٹھا ہوں

حسرت صاحب نے زندگی کو بہت غور سے دیکھا ہے اور اس کے حقائق پر مختلف پہلوؤں سے نظر ڈالی ہے، ایک جگہ کہتے ہیں کہ ؎

خاک ہی اچھی رہی انسان سے
کام تو آئی اُڑانے کے لئے

حسرت زمانے کی نیرنگیوں کو اہمیت نہیں دیتے بلکہ اپنی حیات میں جو انقلاب پیدا ہوتا ہے اُسے اہم سمجھتے ہیں، وہ دنیا کے ساتھ بدلنا نہیں چاہتے بلکہ اپنے ساتھ دنیا کو بدل دینا چاہتے ہیں، مثال کے طور پر ان کا یہ شعر دیکھئے ؎

کروٹیں لینے لگا دورِ جہاں
اک نیا پہلو ذرا بدلے تھے ہم

حسرت کے کلام میں تغزل کے بہت اچھے اچھے نمونے ملتے ہیں ان کے ہاتھ میں پُرانا جام ضرور ہے لیکن نئی شراب سے لبریز، وہ غزل میں قدامت پسندی کے قائل ہیں مگر ندرتِ خیال سے گُریز نہیں کرتے، کہتے ہیں کہ ؎

گو آئینۂ زیست مرے پیشِ نظر ہے
میں پھر بھی تری زُلف کے خم دیکھ رہا ہوں

ذیل کے شعر میں ندرتِ فکر ملاحظہ فرمائیے۔ کس نئے انداز سے کہا ہے ؎

عرضِ دیدار پر وہ کہتے ہیں
دیکھ لو آئینہ میں مُنہ اپنا

محبّت کی منزل میں جب وہ قدم رکھتے ہیں تو ایک دردِ مشترک کا احساس ان کے ساتھ ہوتا ہے وہ بے دھڑک پکار اُٹھتے ہیں ؎

مُشترک ہے غمِ محبّت بھی
میرے آنسو ہیں آپ کی آنکھیں

ذیل کے اشعار میں تغزل کے چند نادر نمونے ملاحظہ فرمائیے ؎

پھر بھی آئینہ دیکھتا ہوں میں ۔۔۔ زندگی گو نظر نہیں آتی
تہمتِ عشق بھی قبول مگر ۔۔۔ بات کیا آپ پر نہیں آتی
گزری جاتی ہیں منزلیں حسرت ۔۔۔ پھر بھی منزل نظر نہیں آتی

غالبؔ نے کہا ہے کہ ؎

جان دی، دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

لیکن حسرت نے اس مضمون کو دوسرے پہلو سے عجیب انداز سے کہا ہے، اور مزید انوکھاپن پیدا کر دیا ہے

شعر۔ کس کو دنیا میں اپنا سمجھیں ہم
دل کی دھڑکن بھی جب تمہاری ہے

جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ حسرت کے یہاں ندرتِ خیال کے بیشتر نمونے

موجود ہیں، ذیل کے شعر میں اُنھوں نے کس نزاکت و احتیاط سے آج کے انسانوں کی بے حسی اور غفلت شعاری کا ماتم کرتے ہوئے زمانے کی چیرہ دستیوں کا شکوہ کیا ہے۔ ؎

ہم جہاں کل تھے وہیں ہیں آج بھی
وقت کی رفتار جو چاہے کرے

اس مضمون کو دوسرے الفاظ میں یوں بیان کرتے ہیں کہ ؎

خُود جلاتا ہوں بے کسی میں چراغ
آندھیوں پر ملال کرتا ہوں

محبوب کے تغافل کی اکثر شعراء نے شکایت کی ہے، لیکن حسرتؔ نے جس عجیب انداز سے شکوہ کیا ہے، وہ ان ہی کا حصّہ ہے، ؎

اپنے دل سے تو ہمیں تُم نے بُھلا رکھا ہے
پھر ہمیں یاد کبھی آتے ہو یہ کیا کرتے ہو

"یہ کیا کرتے ہو" کے ٹکڑے نے شعر میں جو سوز و گداز پیدا کر دیا ہے اسے کچھ اہلِ دل ہی محسوس کر سکتے ہیں، یہ کوئی بناوٹی شکایت نہیں بلکہ ایک حقیقی کرب کی آواز ہے جو ایک دل سے اُبھری اور دوسرے میں اُتر گئی۔

وقت کی آغوش ہو یا موت کی
بے سہارے کو سہارا چاہیئے

مندرجہ بالا شعر میں حسرتؔ صاحب نے ایک عجیب بات کہی ہے، زندگی کی گوناگوں تلخیوں سے تنگ آ کر اکثر لوگ موت کی خواہش کرنے لگتے ہیں، ان کی نظر میں غمِ ہستی کا علاج سوائے موت کے اور کچھ نہیں ہوتا ؏* "غمِ ہستی کا اسدؔ کچھ نہیں جز مرگ علاج"

* غالب صاحب نے بھی یہی فرمایا ہے

لیکن حسرت کی نگاہوں میں موت کے علاوہ غمِ روزگار کا ایک علاج اور بھی ہے، یعنی "وقت کی آغوش" ان کے لئے جو "وقت" غم و آلام کا سبب ہے۔ وہ اُسی "وقت" میں مسرّت تلاش کرنا زندگی کے لئے ایک سہارا سمجھتے ہیں، پھر لطف یہ ہے کہ موت کی نفی بھی،

حسرت سامنے کی بات بھی کہتے ہیں تو اس میں ایک ندرت پیدا کرتے ہیں۔ وہ آرزو کے قائل ہیں لیکن ایسی آرزو کے قائل نہیں جو آرزو کے لئے خود باعثِ توہین ہو، چنانچہ مندرجہ تحت شعر میں اُنھوں نے اسی حقیقت کو واضح کیا ہے، ؎

آرزو ہے کہ آرزو کا مذاق
یا کوئی اہلِ آرزو ہی نہیں

ایک اور شعر دیکھئے اور اندازہ کیجئے کہ جب انسان انتہائی مایوسی کے عالم میں پہونچتا ہے تو اس کی کیا کیفیت ہوتی ہے، حسرت صاحب نے "دلِ بے مدعا" کی تشریح ایک نئے انداز میں کی ؎

کیا کہوں دل کی بات اے حسرت
دل ہی جب مجھ سے کچھ نہیں کہتا

محبت کا اصل مقصود نہ تمنائے سرشار میں ہے نہ شب و روز کے انتظار میں، یہ ایک جذبۂ بے اختیاری ضرور ہے لیکن اس کی کامیابی آہ وزاری پر موقوف نہیں، نہ وہ جنون کی دامن دریدگی چاہتی ہے نہ عقل کی سنجیدگی، نہ وہ شکایتِ غم گوارا کرتی ہے نہ حکایتِ غم۔ غرض کہ محبت کو سمجھنا ہے تو حسرت صاحب کے شعر سے سمجھ لیجئے، حسرت صاحب کی نظر میں محبت راضی برضا رہنے کا نام ہے، وہ کہتے ہیں کہ ؎

محبت مجھے راس یوں آرہی ہے
جو وہ چاہتے ہیں وہ میں چاہتا ہوں

ایک اور شعر میں تغزل کی معراج دیکھیے ؎

بہت دل کے ارمان نکلے ہیں حسرت
خطا کرتے کرتے سزا پاتے پاتے

حسرت صاحب کی نظر میں خطا اور سزا دونوں مذاقِ آرزو کی دلیل ہیں۔ زمانہ کی بے حسی اور خصوصاً موجودہ دور کی ناہمواری کی اکثر شعراء نے شکایت کی ہے، لیکن حسرت صاحب نے اس کا رخ بدل کر جس نزاکت سے بات کہی ہے وہ ان کی ندرت خیال کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہے، آجکل کے رہنما اپنے اقتدار کے نشہ میں ایسے سرشار ہیں کہ انھیں ملک کے حالات سے کوئی سروکار نہیں، ذیل کے شعر میں اسی بے حسی کا شکوہ ہے، ؎

کھل رہے ہیں آج گلشن میں وہ پھول
جن کو احساسِ چمن کچھ بھی نہیں

سبحان اللہ کیا شعر کہا ہے ؎

مجھے اعتبارِ محبت نہیں ہے
محبت نے مجھ پر بھروسہ کیا ہے

حسرت صاحب نے مندرجہ بالا شعر کہہ کر انسان کے اعتماد اور یقین کو اس مقام پر پہونچا دیا ہے جو عام نگاہوں سے اب تک پوشیدہ تھا، اس شعر میں ایک ایسی حقیقت پنہاں ہے جس کی لذت دل تو محسوس کرتا ہے لیکن وہ الفاظ و بیان

کی گرفت میں نہیں آتی، شعر کو ایک بار اور دوہرائیے اور لطف اُٹھائیے ؎

مجھے اعتبارِ محبّت نہیں ہے
محبّت نے مجھ پر بھروسہ کیا ہے

حسرت صاحب کا کلام دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ شاعری میں تقلید کے قائل نہیں، وہ جو کچھ کہتے ہیں اس میں ان کا اپنا انداز ہوتا ہے اور اپنا اسلوب، محبوب کی وعدہ خلافی کا سب ہی شاعروں نے شکوہ کیا ہے لیکن حسرت جس طرح شکوہ کرتے ہیں اس کا رخ سب سے جدا ہے، وہ محبوب کے جھوٹے وعدوں کے ساتھ آج کی پوری انسانیت کو لپیٹ لیتے ہیں، ان کی نظر میں محبوب کے وعدوں کی حقیقت ہے لیکن وہ اس دور نامساعد میں خود کو اس حد تک مجبور پاتے ہیں کہ سوائے اعتبار کرنے کے اور کوئی چارہ نہیں ؎

جھُوٹی دُنیا میں اور کیا کرتے
جھُوٹے وعدوں پہ اعتبار کیا

ذیل کا شعر حسرت کی نادر خیالی کا ایک بہترین نمونہ ہے ؎

نااُمیدی میں یہ اُمید بھی ہے
دل جلے گا تو راکھ بھی ہوگا

نااُمیدی میں وہ جس امید کو دیکھ رہے ہیں اس کا اظہار نہیں کرتے، بلکہ صرف اتنا ہی کہہ کر خاموش ہو جاتے ہیں کہ "دل جلے گا تو راکھ بھی ہوگا"

اس ابہام میں کتنے معنی پوشیدہ ہیں یہ اہل دل ہی جان سکتے ہیں۔ غرض کہ حسرت صاحب کے کلام میں وہ سب کچھ ملتا ہے جو ایک حسّاس شاعر اور سچّے مفکر کے

یہاں ملنا چاہیئے، ان کے اس مختصر سے مجموعہ میں جا بجا ایسے اشعار بکھرے ہوئے ملیں گے جو زندگی کے لئے سبق آموز بھی ہوں گے اور آپ کے جذبات کے لئے باعثِ تسکین بھی، مجھے اُمید ہے کہ اُن کا یہ مجموعہ قبولِ عام حاصل کرے گا اور اہلِ ذوق اس سے لُطف اندوز ہوں گے۔

قمر مرادآبادی
قاضی ٹولہ مرادآباد
۱۰ر جون ۷۴ء

تقریظ و تعارف

آج سے تقریباً پانچ سال بیشتر گلابی موسم کی ایک خوشگوار شام تھی میں ڈرائنگ رُوم میں بیٹھا ہوا تھا کہ کال بِل (Call Bell) بجنا شروع ہوئی میں خود ہی دروازہ پر گیا۔ دیکھا کہ ایک سفید پوش اور نہایت نستعلیق بزرگ مجھ ہی سے مجھ کو پُوچھ رہے ہیں، میں نے جواباً عرض کیا کہ خادم ہی کو شیر جھنجانوی کہتے ہیں۔ یہ سُن کر بڑے تپاک سے مصافحہ کیا، میں انھیں اپنے ہمراہ نشست گاہ میں لے آیا۔ فرمانے لگے مجھ اجنبی کو پنڈت گوکل چند شوری کہتے ہیں ذوق شعر گوئی رکھتا ہوں لیکن اپنوں کی بے اعتنائی اور زمانہ کی بے نیازی نے مجھے حسرت بنا دیا ہے۔ شعر کہہ لیتا ہوں، چاہتا ہوں کہ مشورۂ سخن کے لئے کبھی کبھی حاضر ہو جایا کروں۔ میں ان کی شائستگی اور حُسنِ اخلاق سے اس درجہ متاثر ہوا کہ انکار کی جرأت نہ ہو سکی، مجھے کہنا ہی پڑا کہ میں ہمہ وقت مشورہ کے لئے حاضر ہوں مجھے اپنا ہی مشیر سمجھئے۔

حسرت صاحب ایک معزز برہمن خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ ۱۹۰۶ء انبالہ میں پیدا ہوئے آپ کے والد ماجد پنڈت دوارکا ناتھ شوری ایک سرشت انسان تھے۔ حسرت صاحب بچپن ہی میں دہلی آگئے تھے اور یہی وجہ ہے کہ ان کے مزاج میں دلّی کی قدیم تہذیب رچی بسی ہوئی ہے۔ آپ نے دہلی یونیورسٹی سے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی، دلّی کے اس قیام میں آپ کی رہائش بازار سیتارام میں رہی۔ آپ نے اکثر و بیشتر شامیں پنڈت امرناتھ صاحب ساحرؔ کے دولت کدہ پر گزاریں، یہاں اہل علم اور مشاہیر شعرا کا مجمع رہتا تھا، علامہ پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفیؔ نواب سائلؔ دہلوی، اُستاد بیخودؔ دہلوی، مہاراج بہادر صاحب برقؔ دہلوی، علامہ زارؔ زتشی،

علامہ منور لکھنوی اور پنڈت گوپی ناتھ امن لکھنوی کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں اس ماحول نے جہاں آپ کے ذوقِ شعری کو نکھارا وہاں تہذیب و آدابِ مجلس کو بھی ایک خاص روایتی سلیقہ بخشا اس لئے آپ ہر ہر ادا سے مکمل دلّی والے ہیں، اب ایسے مہذّب، خوش گفتار اور باسلیقہ لوگ دلّی میں بھی نایاب ہیں۔ حسرت کا یہ شعر بطور ثبوت پیش کرتا ہوں ؎

اپنے اغیار سے بھی مجھ کو رواداری ہے ۔۔۔ دل مرا معتقدِ طرزِ شریفانہ ہے

گردشِ روزگار نے حسنِ اتفاق سے آپ کو ایک اور مرکزِ ادب یعنی دبستانِ لکھنؤ میں پہنچا دیا آپ نے لکھنؤ یونیورسٹی سے ایل، ایل، بی۔ کی ڈگری حاصل کی مگر بعض حالات کے پیشِ نظر آپ کو سہارنپور جانا پڑا۔ اور ۱۹۳۳ء میں آپ نے سہارنپور ہی میں وکالت شروع کر دی۔ مگر اس نیک دل، پاک فطرت اور راستباز انسان کو یہ پیشہ راس نہ آیا۔ مجبوراً پھر دہلی واپس آنا پڑا۔ آپ ۳۶ء میں سی، پی، ڈبلو، ڈی میں بحیثیت کلرک ملازم ہو گئے۔ اس محکمہ میں رہ کر بھی آپ کا دامن "دستِ غیب" سے کبھی آلودہ نہ ہوا، یہی سبب ہے کہ ان کی تمام عمر تنگ دستی میں گذری۔ مگر نہایت عزت و احترام کے ساتھ آپ اپنے فرائضِ منصبی ادا کرتے رہے اور بالآخر ۶۸ء میں آپ بحیثیت سپرنٹنڈنٹ اپنے فرائض سے سبکدوش ہو گئے۔ حسرت صاحب کی خودداری اور قناعت پسندی لائقِ تحسین ہے حسرت صاحب آج بھی نہایت سادہ مگر باوقار زندگی گزار رہے ہیں۔

یہ بات خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ ایامِ شباب میں نامساعد حالات کے سبب آپ کو شعر کہنے کا موقع نہ ملا، ابتداء میں کچھ غزلیں ضرور کہی تھیں۔ ریٹائر ہونے کے بعد آپ نے از سرِ نو شاعری شروع کی، چونکہ فطری شاعر ہیں اس لئے بہت جلد عمدہ شعر کہنے لگے، حسرت صاحب نے ایک خاص روایتی ماحول میں نشو و نما پائی ہے۔ اس لئے ان کے اشعار میں بھی لفظی و معنوی طور پر زیادہ تر اسی ماحول کی عکاسی ہے۔ اس کے معنی ہرگز یہ نہیں کہ وہ ایک حسّاس دل

سے محروم ہیں، یا ان کی عمیق نظر موجودہ حالات کا جائزہ لینے سے قاصر ہے۔ وہ اپنے مخصوص انداز میں اس دور کی ہر بات کہہ جاتے ہیں، بڑھتی ہوئی آبادی اور گوناگوں ذاتی اغراض و مقاصد کے پیش نظر اس شعر کا لطف اُٹھائیے ؎

یہ طوفاں بھی اے ناخدا کم نہیں ہے سفینے سفینوں سے ٹکرا رہے ہیں

سفینے کا سفینوں سے ٹکرانا ــــ یہ منظر کشی ایسی نگاہ ہی کر سکتی ہے جس نے زندگی کے سفینے کو بارہا ڈوبتے، ٹکراتے اور اُبھرتے دیکھا ہو۔ اور وہ بھی اس وقت جب بظاہر کوئی موجِ بلاخیز یا کوئی طوفانِ حوادث نظر نہ آ رہا ہو۔

دراصل اس احساس کا ادراک سچا شاعر ہی کر سکتا ہے کہ کبھی کبھی اچانک ہی کوئی شیشہ کیوں ٹوٹ جاتا ہے اور کبھی کبھی اچانک ہی بادِ مخالف کے چلے بغیر ہی سفینہ سفینوں سے کیوں ٹکرانے لگتا ہے۔

جناب حسرت شوری کی غزلوں میں غزل کا روایتی انداز بھی اپنے مانوس رچاؤ اور گھلاوٹ کے ساتھ جگہ جگہ خوبصورت انداز میں ملتا ہے، یہ اشعار ملاحظہ فرمائیے ؎

جانے کیا مُجھ کو بنا کر وہ گئے ہیں حسرت
لوگ آتے ہیں بہت۔ دیکھنے صُورت میری

دِل کو ملتی ہے کس قدر راحت جب کوئی بے قرار ملتا ہے

راز کھُلتا ہے کرم کا تیرے ہم کو محروم کرم رہنے دے

غم غلط کرنے کو کیا پیتے شراب   غم ہی جب ٹھہرا مذاقِ زندگی

جب وفا کی آرزو ہی مٹ گئی   پھر نگاہِ یار جو چاہے کرے

موت کا وقت بتا دوں کیسے   خواہشیں راز ہوا کرتی ہیں

یہ اثر دیکھا لبِ خاموش کا   بے ارادہ مُسکرانا آ گیا

لیکن جیسا کہ سطور بالا میں عرض کیا گیا ہے، حسرت صاحب کے کلام میں زبان کی شگفتگی و صفائی، بیان کا نیکھا پن اور واردات کی رنگا رنگی ہی نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر ان کے کلام میں ہمیں زندگی کی عکاسی اور اس کا شعور، اپنے ماحول اور گرد و پیش کے حالات کا احساس اور زندگی اور انسانیت کی اعلیٰ قدروں کا اقرار بھی ملتا ہے۔

ملاحظہ ہوں یہ اشعار ؎

تُو ہی بتا اے دُکھ کے ساگر   ڈُوبوں کیا چھچلا ہے پانی

حرم کو چلا تھا کہاں آ گیا   ترا آستاں درمیاں آ گیا

آئے تھے کاٹنے حیات کے دن   کاٹنی پڑ گئی پہاڑ سی رات

میں گرتا رہا ہوں سنبھلتا رہا ہوں   زمانے کے ہمراہ چلتا رہا ہوں

تجربے اِتنے تلخ ہیں حسرتؔ دوستوں کی وفا سے ڈرتے ہیں

اور یہ شعر خاص طور پر قابلِ غور ہے ؎

عرصۂ ہستی ازل سے تا ابد ہے مگر میعادِ ہستی چند روز

دنیا کے قیام سے لے کر روزِ حشر تک۔ لاتعداد شب و روز کا وقفہ ہے یہ ایک طویل ترین عرصہ ہے اور ظاہر ہے کہ یہ عرصہ زندگی ہی کا عرصہ ہے ــــ عرصۂ ہستی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہر انسان کی زندگی چند روزہ ہوتی ہے، بظاہر ہستی کی میعاد ازل سے ابد تک پھیلی ہوئی ہے لیکن ہر واحد جسم یا مقید روح کا وجود صرف چند روزہ ہے، یہ امر باعثِ مسرت نہیں کہ قدرت نے ہمارا عرصۂ ہستی ازل سے ابد تک وسیع اور لامتناہی رکھا ہے کیونکہ نہ تو روزِ ازل کا پیدا شدہ انسان اب تک باقی ہے اور نہ ہی آج کا کوئی انسان ابد تک باقی رہے گا۔ اس عرصہ دراز میں ہر انسان کا رول ایک ایسے کردار کی طرح ہے جو چند لمحوں کے لئے منظرِ عام پر آتا ہے۔ بقول شادؔ عظیم آبادی ؎

سُنی حکایتِ ہستی تو درمیاں سے سنی

نہ ابتداء کی خبر ہے نہ انتہا معلوم

اسی باریک نکتے کو حسرتؔ شوری صاحب نے اپنے متذکرہ بالا شعر میں کس خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ پڑھئے، غور کیجئے اور داد دیجئے۔

شاعر کا دل حساس ہوتا ہے اسی لئے اس کا نقطۂ نظر بھی بلند ہوتا ہے وہ کبھی محدود دائروں میں رہ کر نہیں سوچتا، شاعر کا تعلق سارے عالمِ انسانیت سے ہوتا ہے شاعر تو اپنے دشمن کا بھی بُرا نہیں چاہتا شاعرِ انقلاب حضرت جوشؔ ملیح آبادی نے ایک جگہ فرمایا ہے ؎

بدی کا کرتا ہے دشمن اور ہم شرمائے جاتے ہیں

اس جذبے کا اظہار حسرتؔ صاحب اس طرح کرتے ہیں، اس شعر میں رمزیت بھی ہے اور تیکھا پن بھی ے

تم آؤ تو ہاتھوں میں شمشیر لے کر محبّت محبّت کو پہچان لے گی

ایسے ہی ایک لازوال جذبے کا اظہار وہ مندرجہ ذیل شعر میں کرتے ہیں ے

بُجھا دے بزم کے سارے چراغ اے حسرتؔ
اگر چراغِ مُحبّت پہ آنچ آتی ہے

آپ نے ان اشعار کو پڑھ کر محسوس کیا ہوگا کہ حسرتؔ شوری صاحب زبان و بیان انسانی خدمات اور آفاقی افدار کا کتنا نکھرا ہوا شعور رکھتے ہیں اس کے علاوہ ان اشعار کے تغزل سے بھی آپ محظوظ ہوں گے

مجھے یقین ہے کہ جناب حسرتؔ شوری کا یہ مجموعۂ کلام اہلِ ادب اور عوام دونوں ہی حلقوں میں مقبول ہوگا۔ اور خاطر خواہ داد پائے گا۔

مشیرؔ جھنجانوی

۱۱ر اکتوبر ۱۹۷۶ء

غزلیات



ظلمِ چشمِ یار جو چاہے کرے
حُسن کی تلوار جو چاہے کرے

بند اپنا تو لبِ فریاد ہے
دل میں یادِ یار جو چاہے کرے

ہم جہاں کل تھے وہیں ہیں آج بھی
وقت کی رفتار جو چاہے کرے

جب وفا کی آرزو ہی مٹ گئی
پھر نگاہِ یار جو چاہے کرے

دل لگی حسرت نہیں دل کی لگی
ہے یہ وہ آزار جو چاہے کرے



اپنے بیگانے بنانے دیجیے
جھُوٹ سچ بھی آزمانے دیجیے

کھینچیے ساحل سے کشتی عُمر کی
سامنے طُوفاں کے آنے دیجیے

دولتِ غم دیجیے، لیکن حضُور!
کچھ شعُورِ غم تو آنے دیجیے

یہ جنونِ عشق ہے سمجھے گا کیا
ٹھوکریں در در کی کھانے دیجیے

حرف آتا ہے لبِ خاموش پر
بجلیاں دل پر گرانے دیجیے

ڈھونڈنے دیجیے پناہِ دردِ دل
کُوچۂ قاتل میں جانے دیجیے

یوں تو بیٹھے ہیں دلِ حسرت میں آپ
جستجو کرنا بھی آنے دیجیے



میکدہ اور جام تھا اپنا
اِک زمانے میں نام تھا اپنا

ہم نے جانے کسے پکارا تھا
کیا خبر کس سے کام تھا اپنا

اپنی تشنہ لبی بھی کیا کم تھی
پینے والوں میں نام تھا اپنا

بے خودی میں ملی خُودی سے نجات
ورنہ میں خود غُلام تھا اپنا

ایسے جاتا ہوں تیرے کوچے میں
پہلے گویا قیام تھا اپنا

شغلِ مے بے خُودی میں اے حسرت!
رات دن، صبح و شام تھا اپنا



زیست کی شام ہوئی جاتی ہے
موت بدنام ہوئی جاتی ہے

جس قدر بچ کے سنبھلتی ہے نظر
اور بدنام ہوئی جاتی ہے

عشق کا کام ہوا جاتا ہے
عقل ناکام ہوئی جاتی ہے

پھر وہی درد کے طوفاں اٹھے
ہائے پھر شام ہوئی جاتی ہے

چشمِ مخمور کسی کی حسرت
گردشِ جام ہوئی جاتی ہے



پُر محن زیست گو ہماری ہے
یہ عنایت مگر تمھاری ہے

فیصلہ اِس کا آج کون کرے
جان میری ہے یا تمھاری ہے

ضبط سے کام لے دلِ مضطر
آہ و زاری گناہ گاری ہے

تم کو کیسے دکھاؤں زخمِ جگر
مجھ کو خود اس کی پردہ داری ہے

کس کو دنیا میں اپنا سمجھیں ہم
دل کی دھڑکن بھی جب تمھاری ہے

ہار تو ہار ہے مگر حسرت
جیتی بازی بھی ہم نے ہاری ہے



اب غمِ ہستی چُھپانا آ گیا
چوٹ کھا کر مُسکرانا آ گیا

درد پہلو میں دبانا آ گیا
غیر کو اپنا بنانا آ گیا

یہ اثر دیکھا لبِ خاموش کا
بے ارادہ مُسکرانا آ گیا

بجلیاں دل پر گرانی آ گئیں
آشیاں اپنا جلانا آ گیا

تم تو حسرت بے نیازِ شوق تھے
کس طرح دل کا لگانا آ گیا



دنیا سے بے گانے لوگ
جیسے ہوں دیوانے لوگ

عقل کے دشمن اور ہی ہونگے
ہم ٹھہرے فرزانے لوگ

ساقی کی یہ مست نگاہی
بھول گئے میخانے لوگ

کہنے کو ہے جشنِ چراغاں
جلتے ہیں پروانے لوگ

بکھری زلفیں کیا سلجھیں گی
اُلجھے ہیں دیوانے لوگ

دار و رسن کی محفل سونی
کر گئے کیوں دیوانے لوگ

حسرت خونِ دل بہنے دے
بھر لیں گے پیمانے لوگ



غمِ دو جہاں کو جو ٹھکرا رہے ہیں
وہ منزل بہ منزل چلے جا رہے ہیں

شبِ غم نہیں کوئی غم خوار اپنا
اجل تو ہی آجا کہ گھبرا رہے ہیں

کہاں ہیں کہاں شکوۂ جورِ پیہم
یہ کیا آپ ارشاد فرما رہے ہیں

یہ طوفاں بھی اے ناخدا کم نہیں ہے
سفینے سفینوں سے ٹکرا رہے ہیں

نہ الفت پہ کچھ زور ہے اپنا حسرتؔ
نہ دل کو ہی اپنے سمجھا رہے ہیں



خُم لیے بیٹھا ہے ساقی بھیڑ میخانے میں ہے
ہوش ہے کس کو کہ کتنی کس کے پیمانے میں ہے

کیا غرض ساقی کہ کتنی تیرے میخانے میں ہے
مطمئن ہوں جس قدر بھی میرے پیمانے میں ہے

شمع بزمِ آرزو میں بے سبب جلتی نہیں
دیکھنا یہ ہے کہ کتنا سوز پروانے میں ہے

کیا خوشی کیا ناخوشی حسرت یہی ہے زندگی
صورتِ تسکینِ دل اب دل کو سمجھانے میں ہے



مرنے والے تو مر مٹیں گے آپ
جینے والوں سے کیا کہیں گے آپ

یاد تو آ کے جی جلاتی ہے
آپ آئے تو کیا کریں گے آپ

کام لینے لگے نگاہوں سے
ہم تو سمجھے تھے کچھ کہیں گے آپ

دل تو کہتا ہے جان بھی دیدوں
صرف دل لے کے کیا کریں گے آپ

دیکھیئے دونوں وقت ملتے ہیں
اس طرح کہیئے کب ملیں گے آپ

مل تو جائے سکونِ دل حسرت
دل کی دھڑکن کا کیا کریں گے آپ



زباں سے سوزشِ پنہاں بیاں نہیں ہوتی
گھٹن تو ہوتی ہے لیکن فغاں نہیں ہوتی

جہانِ ہوش میں بندے خدا نظر آتے
اگر نقابِ خودی درمیاں نہیں ہوتی

انہیں تو بات کی ضد ہے انہیں لحاظ کہاں
نکل گئی جو "نہیں" منہ سے "ہاں" نہیں ہوتی

وہ دور ڈھونڈھ رہے ہیں یہ آسمان و زمیں
تری نگاہ کی گردش جہاں نہیں ہوتی

سمجھ سکو تو سمجھ لو نگاہِ حسرت سے
کہ دل کی بات زباں سے بیاں نہیں ہوتی



اس طرح ہم قضا سے ڈرتے ہیں
کوئی سمجھے خُدا سے ڈرتے ہیں

کم نہ ہو جائے جور کی لذّت
ہم تو اپنی وفا سے ڈرتے ہیں

ہیں مزاجِ حضُور سے واقف
شکوۂ برملا سے ڈرتے ہیں

اور لوگوں کو فکرِ درماں ہے
اہلِ اُلفت دوا سے ڈرتے ہیں

تجربے اتنے تلخ ہیں حسرت
دوستوں کی وفا سے ڈرتے ہیں



خود کو سپردِ آتشِ سوزاں کیے ہوئے
بیٹھا ہوں دل کے درد کا درماں کیے ہوئے

اہلِ خرد بھی چل پڑے صحرائے عشق کو
آبادیوں کے راستے ویراں کیے ہوئے

نکلے ہے کس کو دیکھنے ہر شب کو ماہتاب
اپنے جگر کا داغ فروزاں کیے ہوئے

آنے لگی تھی ہوش میں حسرت کی بے خودی
جب آئے تھے وہ زلف پریشاں کیے ہوئے



حرم کو چلا تھا کہاں آ گیا
ترا آستاں درمیاں آ گیا

خُدا جانے کیوں سنگِ در آپ کا
جہاں سَر جُھکایا وہاں آ گیا

اُٹھایا تھا سر شوقِ دیدار نے
حجابِ خودی درمیاں آ گیا

ہوئی ختم اب منزلِ جُستجو
مُسافر، ٹھہر، آستاں آ گیا

کرے خاک حسرتِ گلہ بخت کا
قریب اور بھی آسماں آ گیا



علاجِ غمِ عشق آساں نہیں ہے
یہ وہ درد ہے جس کا درماں نہیں ہے

ہوا یوں میں بیگانۂ ہر تمنّا
کہ اب دل میں تیرا بھی ارماں نہیں ہے

نمایاں نہ کر اے جنوں رازِ وحشت
مجھے شوقِ چاکِ گریباں نہیں ہے

نہیں میں پریشانیوں سے گریزاں
اگر خوابِ ہستی پریشاں نہیں ہے

تری نا اُمیدی تو ہے ساتھ حسرت
اگر کوئی دُنیا میں پُرساں نہیں ہے



کوئی اُس سے کیا دل لگا کر چلے
جو دُنیا کو آنکھیں دِکھا کر چلے

کھِنچے کیوں چراغِ سحر سے صبا
کہا کس نے دامن بچا کر چلے

مقدّر میں جب آدمی کے ہے خاک
دبا کر چلے یا اُڑا کر چلے

چلے چھوڑ کر حسرتِ زندگی
مگر خونِ حسرت بہا کر چلے

کسی کو ہو کیوں ہم سے حسرت گلہ
کہ ہم ہی بُرے تھے وفا کر چلے



میں گرتا رہا ہوں سنبھلتا رہا ہوں
زمانے کے ہمراہ چلتا رہا ہوں

مُصیبت کو کب مَیں نے سمجھا مُصیبت
سنبھلنے کی خاطر سنبھلتا رہا ہوں

دکھاتے رہے جو قدم مجھ کو آنکھیں
اُنھیں کے سہارے میں چلتا رہا ہوں

محبّت کی خاطر کئی بار حسرت!
وفاؤں کے سانچے میں ڈھلتا رہا ہوں



داغِ حسرت جلائے بیٹھے ہیں
دِل کی محفل سجائے بیٹھے ہیں

ایک کی ہو کے کب رہی دُنیا
اس کو ہم آزمائے بیٹھے ہیں

اپنے دامن میں خار و گُل لے کر
رازِ گلشن چھپائے بیٹھے ہیں

شانہ کام آرزو کے دھوکے میں
خونِ حسرت بہائے بیٹھے ہیں

غم کے رہنے کے واسطے حسرتؔ
دل کی دُنیا بسائے بیٹھے ہیں



روشنی تاروں کی ڈھلتی جائے ہے
آرزو پہلو بدلتی جائے ہے

کیا کوئی طوفاں ہے میرا منتظر
کشتیِ دل کیوں سنبھلتی جائے ہے

چھوڑ دے اے دل تغافل کا گلہ
بے رُخی اب رُخ بدلتی جائے ہے

کیا یہی ہے انقلابِ زندگی
ہر نظر مجھ سے بدلتی جائے ہے

اب تو حسرتؔ یہ گماں ہونے لگا
زندگی آگے نکلتی جائے ہے

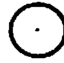


ترے غم کے سوا اب کوئی غم کھایا نہیں جاتا
کہ ہر جلوہ نگاہِ شوق میں لایا نہیں جاتا

تمھاری یاد سے اب دل کو بہلایا نہیں جاتا
کہ بہلانے کی خاطر اور تڑپایا نہیں جاتا

یہی دامن ہمارے پیرہن کی آبرو ہوتا
اگر کم ظرف کی خدمت میں پھیلایا نہیں جاتا

کرے کیا چھیڑ کر ٹوٹے ہوئے تارِ نفس حسرت
کہ سازِ ہستیِ خاموش پر گایا نہیں جاتا



آہ جب لے کے اثر جاتی ہے
صورتِ برق و شرر جاتی ہے

دُشمنِ جاں کی نظر کیا کہیے
دل میں چُپکے سے اُتر جاتی ہے

زندگی تیری جفاؤں کے طُفیل
بے ارادہ بھی گزر جاتی ہے

تُو ہی تُو مجھ کو نظر آتا ہے
نگہِ شوق جدھر جاتی ہے

غم اُٹھانے سے جنابِ حسرت
زندگی اور نکھر جاتی ہے



جُلا کے غم میں ترے داغدار کرتے ہیں
جگر کی آگ سے پیدا بہار کرتے ہیں

چلے ہیں بزم طرب میں اک انقلاب لیے
کہ دورِ جام کو ہم ہوشیار کرتے ہیں

اُدھر سے اُن کی طرف جرمِ زندگی کا حساب
اِدھر حیات کے دن ہم شُمار کرتے ہیں !

گُناہ گار قیامت کی راہ کیا دیکھیں
جو بے جگر ہیں وہ کب انتظار کرتے ہیں

گُزر گیا جو زمانہ گُزر گیا حسرت
ہم اپنے وقت کا اب اعتبار کرتے ہیں



فُرقتِ گل میں نہ نکلی جان ہنستے بولتے
کب ہوئی مُشکل مری آسان ہنستے بولتے

غم کے پیمانے میں ملتی ہے وہ صہبائے حیات
جس کو پی کر پھر نہیں انسان ہنستے بولتے

اب نکل کر آئے ہو تم خوابگاہِ ناز سے
بستیاں جب ہو گئیں ویران ہنستے بولتے

کہہ دیا تو نے فلک کیا گردشِ ایّام کو
ہو گئے خاموش کیوں انسان ہنستے بولتے

عشق کا آزار حسرتؔ لے تو بیٹھے ہو مگر
اب نہ نکلے گی تمھاری جان ہنستے بولتے



کاٹ دی جو کاٹنی تھی چند روز
زندگی تھی بے کسی کی چند روز

حسرتوں کے خوں سے رنگیں رہی
میرے ارمانوں کی بستی چند روز

عرصۂ ہستی ازل سے تا ابد
ہے مگر میعادِ ہستی چند روز

شیخ ہے یہ زندگی غفلت پسند
کاٹ لے بن کر شرابی چند روز

یہ سمجھ کر ہم بھی حسرتؔ جی لیے
ہے فقط آزارِ ہستی چند روز



اب نہ حسرت ہے سوا اس کے نہ ارماں کوئی
روئیں جی بھر کے نظر آئے جو پُرساں کوئی

آئینہ خانۂ حُسن ایک تھا حیرت کا مقام
کوئی بدمست تھا، بیہوش تھا حیراںؔ کوئی

اب تو گھبرا گیا ویرانۂ دُنیا سے یہ دل
اے جنوںؔ چل کے بسا اور بیاباںؔ کوئی

کس توقّع پہ کرے عرضِ تمنّا حسرتؔ
ظُلم کرنے کو سمجھتا ہو جو احساںؔ کوئی



ضبطِ رنج و ملال کرتا ہوں

یوں بھی گویا سوال کرتا ہوں

خود جلاتا ہوں بے کسی میں چراغ

آندھیوں پہ ملال کرتا ہوں

ڈوبنے کا خیال آتا ہے

جب میں ساحل خیال کرتا ہوں

گُل کو آغوشِ خار میں پا کر

جانے کیا کیا خیال کرتا ہوں

سُن لے حسرتؔ وہ آرزو میری

آرزو کا سوال کرتا ہوں!



دل پہ باندھو نہ جب تک نشانا
تیر آئے گا کیسے چلانا

نیچی نظروں سے مجھ کو نہ دیکھو
جانے کیا دل میں سمجھے زمانا

برق گلشن پہ اب کیا کرے گی
اب چمن میں کہاں آشیانا

آپ سمجھیں بھی کیا غم کسی کا
آپ جانیں بھی کیا غم اٹھانا

جانِ حسرت تو تم بن گئے ہو
موت ڈھونڈے گی اب کیا بہانا



ہر اک چوٹ دل کی چھپاتے رہے
ستم کو مگر آزماتے رہے

چراغِ تمنّا تھا اک مشغلہ
جلاتے رہے اور بجھاتے رہے

چھلکتے رہے جامِ خونِ جگر
لہو چشمِ تر سے بہاتے رہے

بھٹکتے رہے کاروانِ حیات
مقدّر کے در کھٹکھٹاتے رہے

نہ کیوں اُن پہ حسرت ہمیں ناز ہو
مُصیبت میں جو کام آتے رہے



طُولِ شبِ فراق نہ جائے تو کیا کریں؟
فُرقت بھی تیری راس نہ آئے تو کیا کریں؟

ہم کو بہت غرور سہی عقل و ہوش پر
موقع پہ بات یاد نہ آئے تو کیا کریں؟

دیوانے لاکھ دیدۂ حق بیں سے کام لیں
نیرنگیِ مجاز نہ جائے تو کیا کریں؟

دیر و حرم کے سجدۂ پیہم کے باوجود
دل سے خیالِ یار نہ جائے تو کیا کریں؟

حسرت نگاہِ شوق کا کیا کیجیے گلہ!
دیوانگیِ عشق نہ جائے تو کیا کریں؟



تیرِ نظروں کے چلاتے ہو یہ کیا کرتے ہو
موت کو چال سکھاتے ہو یہ کیا کرتے ہو

رُخ پہ آنچل کو گراتے ہو یہ کیا کرتے ہو
چاند بدلی میں چھپاتے ہو یہ کیا کرتے ہو

اپنے دل سے تو ہمیں تم نے بھلا رکھا ہے
پھر ہمیں یاد بھی آتے ہو یہ کیا کرتے ہو

جام دیتے ہوئے کیوں غیر کی دیتے ہو قسم
زہر کے گھونٹ پلاتے ہو یہ کیا کرتے ہو

دلِ حسرت میں جلا کر غمِ ہجراں کا چراغ
مثلِ پروانہ جلاتے ہو یہ کیا کرتے ہو



اب یہ عالم ہے کہ اپنا ہے نہ بیگانہ ہے
ہم ہیں اور بینشِ نظر جلوۂ جانانہ ہے

اپنے اغیار سے بھی مجھ کو رواداری ہے
دل مرا معتقدِ طرزِ شریفانہ ہے

اس کو جلنے دو ابھی تاکہ حقیقت تو کھلے
شمعِ ہستی میں نہاں بزم کا افسانہ ہے

میں قسم کھاتا ہوں پھر اور نہ مانگوں گا کبھی
اتنی مل جائے کہ جتنا مرا پیمانہ ہے

کچھ کہے کوئی مگر ہے یہ حقیقت حسرت
آپ کی بات میں اک شوخیِ رندانہ ہے



روز صدمے ترے اٹھائیں ہم
ایسی قسمت کہاں سے لائیں ہم

دل بھی دُشمن ہے تم بھی دشمن ہو
کہیں بے موت مر نہ جائیں ہم

طے ہوئی منزلِ جہانِ خراب
کس طرف اب سفر کو جائیں ہم

کاش تُو بے خبر رہے ہم سے
دیکھیں چُھپکر تری ادائیں ہم

اک کہانی وفا کی باقی ہے
زہر پی لیں تو پھر سُنائیں ہم

دل بھی دم توڑنے لگا حسرت
ہمسفر کس کو اب بنائیں ہم



رحمت سیاہ بختیٔ عصیاں کے سامنے
صبحِ وصال شامِ غریباں کے سامنے

کیسے کلیم بات کا تیری یقیں کروں
ہے کس کو ہوش جلوۂ جاناں کے سامنے

ہوں عالمِ خیال میں زندانیٔ خیال
پابندِ غم ہوں خوابِ پریشاں کے سامنے

ہستی مری ہے عالمِ فانی میں اس طرح
آئینہ جیسے دیدۂ حیراں کے سامنے

ناکامیوں کی بات ہو یا قصۂ جنوں
حسرت نہ چھیڑ گردشِ دوراں کے سامنے



تم کیا گئے حسین نظارے چلے گئے
سپنوں سے میرے چاند ستارے چلے گئے

جتنے تھے زندگی کے سہارے چلے گئے
کشتی سے کتنی دُور کنارے چلے گئے

جیتے نہ ہم قمار گہِ عشق میں کبھی
بازی لگا کے زیست کی ہارے چلے گئے

جب بھر چکا یہ دامنِ عصیانِ زندگی
اُٹھ کر جہاں سے شرم کے مارے چلے گئے

حسرت جہاں میں کوئی بھی محرم نہیں رہا
سب ہم خیال دوست ہمارے چلے گئے



غم اُٹھاتی رہے زندگانی
کام آتی رہے زندگانی

خود جلا کر چراغِ تمنّا
خود بجھاتی رہے زندگانی

زندہ رہنا نہ ہم بھول جائیں
یاد آتی رہے زندگانی

زخم دیتی رہیں آرزوئیں
زخم کھاتی رہے زندگانی

خاک اُڑتی رہے گلستاں میں
گُل کھلاتی رہے زندگانی

شیشۂ اشک ہیں میرے حسرت
جھلملاتی رہے زندگانی



رفتہ رفتہ دل کو مٹ کر قُرب حاصل ہو گیا
خاک ہو کر کوچۂ جاناں میں شامل ہو گیا

ضبطِ غم سے فائدہ اتنا تو حاصل ہو گیا
اُن کے دردِ عشق کے قابل مرا دِل ہو گیا

سہل و مشکل صرف ارادی قُوّتوں کا نام ہے
سمجھے امرِ سہل کو مُشکل تو مُشکل ہو گیا

پہلے طفلی، پھر جوانی، پھر بُڑھاپا، پھر عدم
یُوں ہی سب طے راستہ منزل بہ منزل ہو گیا

ہے کچھ ایسا بزمِ دُنیا کا تماشا دِل فریب
جو یہاں آیا اسیرِ رنگِ محفل ہو گیا

ہاتھ اُٹھا کر ہم نے دُنیا سے جہاں رکھا قدم
ہر طرف پیدا نشانِ راہِ منزل ہو گیا

اہلِ محفل ہیں نہ حسرت اب وہ پہلی صُحبتیں
دیکھتے ہی دیکھتے کیا رنگِ محفل ہو گیا



صبحِ محشر اِدھر نہیں آتی
غمزدوں کی سحر نہیں آتی

جا کے اک بار عظمتِ ہستی
لوٹ کر عمر بھر نہیں آتی

پھر بھی آئینہ دیکھتا ہوں میں
زندگی گو نظر نہیں آتی

بحرِ طوفاں میں کشتیِ ہستی
بے سہارا نظر نہیں آتی

تہمتِ عشق بھی قبول مگر
بات کیا آپ پر نہیں آتی

دل تو جلتا ہے رات دن لیکن
آگ جلتی نظر نہیں آتی

گزری جاتی ہیں منزلیں حسرتؔ
پھر بھی منزل نظر نہیں آتی



بے وفا دُنیا میں کوئی باوفا مِلتا نہیں
خُود غرض مِلتے ہیں سچّا آشنا مِلتا نہیں

چَین آتا تھا نہ جن کو مسندِ کمخواب پر
وائے عبرت آج اُن کو بُوریا مِلتا نہیں

یا وہ دن تھے روز ہوتی تھی زیارت آپ کی
یا یہ دن ہیں مدّتوں اب دیکھنا مِلتا نہیں

آفتابِ عُمر تو آیا لبِ بام اور ابھی
منزلِ مقصُود کا کوسوں پتہ مِلتا نہیں

کیسے پھر حسرت یہ دنیا ایک کی ہو کر رہے
ایک نقشے سے جو نقشہ دُوسرا مِلتا نہیں



مجھ کو فریب دینے لگا ہے گماں مرا
دھوکے میں ڈالتا ہے مجھے خود نشاں مرا

غربت کا سامنا مجھے حاصل یہاں بھی ہے
میری نہ یہ زمین ہے نہ یہ آسماں مرا

صیاد جس جگہ بھی تجھے خوفِ برق ہو
رکھ دے چمن میں جا کے وہیں آشیاں مرا

اب رازِ دل چھپا کے بھی حسرت میں کیا کروں
اب رہ گیا ہے کون یہاں رازداں مرا



وہ جو منزل کے رُخ بدلتے ہیں
وقت کو ساتھ لے کے چلتے ہیں

اپنا دامن سنبھال بادِ صبا
دیکھ غم کے چراغ جلتے ہیں

نام چلتا ہے میکدے کا مگر
جام تشنہ لبی کے چلتے ہیں

دل میں پلتی ہیں حسرتیں جیسے
آستینوں میں سانپ پلتے ہیں

کیوں ہے محتاج برق کا حسرتؔ
جلنے والے تو خود ہی جلتے ہیں



سوز کو ساز بناؤں کیسے
دل اگر روئے تو گاؤں کیسے

تو تو مرضی کا ہے مالک اپنی
آسرا تیرا لگاؤں کیسے

لے کے کچھ ہاتھ پہ گیلی مٹی
سوچتا ہوں کہ اڑاؤں کیسے

جو تری یاد سے وابستہ ہیں
نقش وہ دل سے مٹاؤں کیسے

نیند کچی ہے مرے دل کی ابھی
ہاتھ سینے سے اُٹھاؤں کیسے

پردہ داری میں خیانت ہوگی
زخمِ دل تم کو دکھاؤں کیسے

ہر نظر تاکے ہے حسرت سے مُجھے
داغِ حسرت کو چُھپاؤں کیسے



اتنا کرم تو کرتے رہیو!
تہمت سر پر دھرتے رہیو

دل کا کیا بہلانا غافل
یاد کسی کو کرتے رہیو

جیسی کرنی ویسی بھرنی
ایسی کرنی کرتے رہیو

دل کی آگ نہ بجھنے پائے
ٹھنڈی آہیں بھرتے رہیو

پیتے رہیو بھر بھر ساغر
ساقی کا دم بھرتے رہیو

زندہ رہیو نامِ خدا پر
غیر کی خاطر مرتے رہیو

رکھیو دل کی دل میں حسرتؔ
اُن سے کہتے ڈرتے رہیو



عُمر بھر جی جلایا گیا ہے
سوزِ دل آزمایا گیا ہے

کون جانے دیا آرزو کا
کیوں جلا کر بجھایا گیا ہے

یُوں نظر آزمائی گئی ہے
رُخ سے آنچل ہٹایا گیا ہے

تیرے صدقے تری آرزو کے
کُفر ایماں بنایا گیا ہے

آبرُوِ عشق کی مِٹ نہ جائے
حرفِ مطلب مِٹایا گیا ہے

کوئی بہلائے کیا دل کسی کا
دل تو سب کا بنایا گیا ہے

اک نئی روشنی کی ہوس میں
آشیانہ جلایا گیا ہے

صرف ساغر میں مے ہی نہیں ہے
خونِ دل بھی ملایا گیا ہے

دونوں عالم کی حسرت مٹا کر
اک مرا دل بنایا گیا ہے



زندگی جانے ڈھونڈتی کیا ہے
اِن اندھیروں میں روشنی کیا ہے

غم کی خوشیاں نصیب ہیں ہم کو
اس سے بڑھ کر ہمیں خوشی کیا ہے

جھوٹ کو سچ سمجھ لیا ہم نے
کون جانے کہ بے بسی کیا ہے

آ کے خود دیکھ لو مری حالت
ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے

اپنا اپنا غرور ہے حسرت
دوستی کیا ہے دشمنی کیا ہے



خاک کی حسرت نکالی جائے گی
زندگی پہ جب یہ ڈالی جائے گی

جانتے ہیں آہ خالی جائے گی
پھر بھی کہتے ہیں نکالی جائے گی

اور جی لیں گے تہِ دامِ بلا
بات دُنیا کی نہ ٹالی جائے گی

چار دن کی زندگی کا بوجھ کیا
چار کاندھوں پر اُٹھالی جائے گی

تلخیٔ دُنیا سے حسرت زندگی
زہر کے ہاتھوں بچالی جائے گی



بہت پاسِ الفت سے ڈرنے لگا ہوں
ترا نام لے کر مُکرنے لگا ہوں

نہ گردش ہے کوئی نہ شام و سحر ہیں
یہ کِس راستے سے گزُرنے لگا ہوں

بُجھا لے مری بیکسی پیاس اپنی!
لہو دِل کا ساغر میں بھرنے لگا ہوں

بنا ڈالا گیا عشق نے دل کو حسرت!
کہ میں اپنے دل سے بھی ڈرنے لگا ہوں



پھر مجھے زخمِ جگر یاد آیا
پھر تری یاد کا گھر یاد آیا

آ گئے چھوڑ کے ویرانوں کو
جب بہاروں کا اثر یاد آیا

جب کوئی شمع جلائی ہم نے
دامنِ بادِ سحر یاد آیا

جلتے دیکھا جو نشیمن اپنا
اپنی آہوں کا اثر یاد آیا

ذکرِ رحمت پہ نہ جانے حسرتؔ
کیوں مجھے دیدۂ تر یاد آیا



منزلِ عشق معتبر نہ ہوئی
اُن کے قابل یہ رہ گزر نہ ہوئی

اس قدر زیست سے رہے غافل
موت بھی آئی تو خبر نہ ہوئی

دیکھ کر کس کو دیکھتے رہتے
اتنی پہچان عُمر بھر نہ ہوئی

شبِ غم کی تھکن کے مارے ہم
ایسے سوئے کہ پھر سحر نہ ہوئی

لُٹ گیا دل کا کارواں حسرتؔ
ایک حیرت ہے کچھ خبر نہ ہوئی



تُو بھی ہے تیرا میکدہ بھی ہے
ساتھ میرا دیا لیا بھی ہے

جینے مرنے کے درمیاں کوئی
سانس لینے کا فاصلہ بھی ہے

تیری مرضی ہے جان بھی لے لے
ہم نے دل دے کے کچھ کہا بھی ہے؟

ہو تو جائے شریکِ غم کوئی
لیکن ایسا کبھی ہوا بھی ہے؟

تیری محفل میں روشنی کے لیے
داغِ حسرت کا اک دیا بھی ہے



کیسے کہہ دیں کہ مدّعا کیا ہے
جان دینے کا پھر مزا کیا ہے

مُستحق وہ سزا کے ہوتے ہیں
جو نہیں جانتے خطا کیا ہے

غم نہ ہوتا تو تھا گلہ ہم کو
زندگی ہے تو پھر گلہ کیا ہے

تُو نے چھیڑا تھا سازِ دل میرا
تُو ہی جانے اسے ہُوا کیا ہے

جیتے ہیں موت کے بھروسے پر
اور جینے کا آسرا کیا ہے

شیوۂ ظُلم کچھ بھی ہو حسرتؔ
پر اس آ جائے تو بُرا کیا ہے


قطعات

پہن کر نہ چل گوری پاؤں میں پائل
کوئی سُن نہ لے داستانِ محبت

تہمتِ انتظار ہے ہم پر
آتے آتے جو وہ نہیں آئے

پیار کی آگ بھڑکتے کیا دیر
غم کا آنسو کوئی نکلے تو سہی

کچھ بھی ہو وقت کی پرکھ حسرت
آدمیت کھری اُترتی ہے

مہرباں ہو گئے ہیں وہ شاید
ورنہ خنجر لئے نہیں آتے

غم سے دل ہمکلام رکھتا ہوں
غمِ جاناں سے کام رکھتا ہوں
بے خودی ہوش میں نہ آجائے
دونوں ہاتھوں میں جام رکھتا ہوں



میرے اعمال کی سزا تو نہیں
زندگی تیری بد دُعا تو نہیں
بات پر بات یاد آتی ہے
ورنہ تجھ سے کوئی گلہ تو نہیں

اے چرخ ختم ہوگا ترا انقلاب کب
پھر ہوگا بزمِ عیش میں دورِ شراب کب
حسرتؔ نہ مضطرب ہو بھلے دن بھی آئینگے
یکساں رہا ہے رنگِ جہانِ خراب کب



زندگی مہلتِ غم دیتی ہے
صدمۂ یاس والم دیتی ہے
اس کے اندازِ کرم کے صدقے
ہم سمجھتے ہیں کہ کم دیتی ہے

رازِ دردِ نہاں خدا جانے
دل خُدائی کی بات کیا جانے
جان دے کر لیا ہے غم تیرا
کون ایسا لیا دیا جانے



جانے کب ہوگا یہ جنوں پیدا
پیرہن اپنا تار تار کروں
ضبطِ غم کا سوال ہے حسرتؔ
تیر کیوں کر جگر کے پار کروں

ہوش سے کام لیجئے حسرت
خشک زاہد سے جام کی باتیں
آج ساقی ہے میکدہ بردوش
کیجئے آپ کام کی باتیں



اِدھر دیکھیے تو خطا پر خطا ہے
مگر اُس طرف سے عطا بر ملا ہے
یہ سُن کر میں آیا ہوں دارِ فنا میں
اِدھر سے بھی اک راہ سُوئے بقا ہے

وصل سے انتظار اچھا ہے
دل پہ کچھ اختیار اچھا ہے
کون ہے جو گناہ گار نہیں
پر دلِ شرمسار اچھا ہے



تو بھی مجبور ہے مگر ساقی
ہم مجبور ہو کے پیتے ہیں
ایک طاقت ہے لیے کسی حسرت
لوگ مجبور ہو کے جیتے ہیں

سوز میں رات بسر کرتا ہوں
صورتِ شمع سحر کرتا ہوں
مجھ کو کیا تلخیٔ دنیا سے غرض
زہر پیتا ہوں گزر کرتا ہوں



یوں شوقِ ناتمام کو پورا کریں گے ہم
جو ہو نہ سکے وہ تمنا کریں گے ہم
پہنا کے دل کو جامۂ مجبوریٔ حیات
حسرت بھری نگاہ سے دیکھا کریں گے ہم

منتخب اشعار

مُسکرانا بھی ایسا ہے جیسے

رونا آتا ہے رو نہیں سکتے

ہم تو غلطی پسند ہیں حسرتؔ

دیر آئے دُرست کیوں سمجھیں

پُوچھ ٹکڑوں سے شیشۂ دل کے

ایک پتّھر کے دل کا سوز و گداز

اُس کی رحمت کا تقاضہ ٹھہرا

ہم گنہ گار گنہ گار سہی

جس تمنّا سے آپ ہیں بیزار

وہ تمنّا بھی آپ کی نکلی

پھر وہی رُخ پہ دوپٹہ ڈالئے
پھر وہی کہئے کہ پہچانو مجھے

جانے کیا مجھ کو بنا کر وہ گئے ہیں حسرت
لوگ آتے ہیں بہت دیکھنے صورت میری

بُجھا دے بزم کے سارے چراغ اے حسرت
اگر چراغِ محبّت پہ آنچ آتی ہے

کوئی تو ہے مرے سنانے کو
کٹ گیا دن تو رات باقی ہے

تُو ہی بتا اے دُکھ کے ساگر
ڈوبوں کیا چھچھلا ہے پانی

غم غلط کرنے کو کیا پیتے شراب
غم ہی جب ٹھہرا مذاقِ زندگی

آنکھ بھر آئی جانے کیوں حسرتؔ
کب یہ سوچا تھا وہ نہ آئیں گے

آپ کی محفل کا کیا کہنا جہاں
شمع جلتی ہے جلانے کے لئے

اب تو یوں دیکھے ہے دنیا مجھکو
جیسے ناکام کو حسرت دیکھے

جیون کے سوکھے پنگھٹ پر
نَینن نیر بھرے پنہیاری

رہ گئے تھر تھرا کے لب حسرتؔ!
بھول بیٹھے ہوں جیسے دل کی بات

آرزو کا چراغ روشن ہے
ہاں مگر جل چکے ہیں پروانے

کیا کہوں دِل کی بات اے حسرتؔ
دِل ہی جب مجھ سے کچھ نہیں کہتا

کوئی مخصوص نہیں عشق کی منزل حسرتؔ
کس طرف جائے محبت کی نظر کیا معلوم!

بند آنکھیں ہوئیں کہ جا پہنچے
سہل کتنی عدم کی منزل ہے

گو واقفِ رازِ در و دیوار رہوں حسرت
پَر آگ لگانے کے لیے گھر تو بنا لوں

مری بیخودی کا سبب بن گئے ہیں
مجھے بُھول بیٹھے ہیں آواز دے کر

اُن کے بے ربط اِشارے تو ہوا کرتے تھے
کاش دھوکا مجھے دانستہ نظر کا ہوتا

پُھونک کر دل کو مرے دیکھ تو لیجے صاحب
آگ لگ جائے اگر گھر میں تو کیا ہوتا ہے

بِن کاجر کے کاری انکھیاں
برہن کی اندھیاری رَتیاں

جو مرے دل میں ہے کہتے ہوئے جی ڈرتا ہے
مجھ کو آتا نہیں اظہارِ تمنّا کرنا

جانِ جاں اُس کو بنا لوں کیا کروں؟
دُشمنِ جاں بھی کوئی کیا اور ہے؟

اُن کے عارض پہ زُلفیں مچلتی رہیں
دُھوپ چھاؤں کے تیور بدلتے رہے

دل کی تمنّا دل میں اچھی
کیا جانے کب آئے کام

حیات و مرگ کی راہوں میں مت بھٹک حسرت
جنونِ عشق کی منزل عدم سے آگے ہے

اُن کو ہم غیر ہی سمجھتے ہیں
جن کو اپنا بنا نہیں پاتے

لذتِ جَور بڑھ گئی شاید
چوٹ دل پر اثر نہیں کرتی

گزر جائے تڑپ کر بھی شبِ فُرقت غنیمت ہے
سحر کو کس نے دیکھا ہے سحر کا آسرا کیا ہے

بارہا سوچا بھی ہے سمجھا بھی ہے
پھر سمجھ کر رہ گئے کچھ سوچ کر

خار بنتی جا رہی ہیں حسرتیں
دامنِ ارماں کہاں تک کھینچیے

اپنی ناکامی پہ ہنسنا سیکھ لوں
کام لینا ہے دلِ ناکام سے

اُن کا آنا تھا میرا جانا تھا
یہ بھی الزام مجھ پہ آنا تھا

رُو رہی ہے زندگی تو کیا کریں
یہ ہنسی تو اور رونا آئے گا

دل کو سمجھاتا ہوں کچھ مُنہ سے نکل جاتا ہے کچھ
گویا دل کی آرزو لب تک کبھی آتی نہیں

اگر تُو آئے گا دل میں تو دل بھی جائے گا جی سے
کہ رسم و راہِ اُلفت آنے جانے ہی سے بڑھتی ہے

فطرتاً سے نہ واقف تھے جفا کار کی حسرت
بے درد سے اب جان چھڑائی نہیں جاتی

کروٹیں لینے لگا دورِ جہاں
اک نیا پہلو ذرا بدلے تھے ہم

ہائے کیوں لُٹتا ہمارا کارواں
کاش تیری رہگذر پہچانتے

وقتِ رفتہ کی یاد آئی ہے
رُک نہ جائے کہیں یہ عمرِ رواں

مُشترک ہے غمِ محبت بھی
میرے آنسو ہیں آپ کی آنکھیں

ڈھل گیا ہوتا اگر دامانِ عصیانِ حیات
کون آتا زندگی سے ہاتھ دھونے کے لیے

موت بھی کھوئی کھوئی رہتی ہے
آرزو کے شراب خانے میں

جا تی بہار تک بھی نہ جائے گی تشنگی!
ساقی نے اس طرح مجھے دیکھا ہے کیا کروں

تیرے کرم نے باندھ دی ہمّت گناہ کی
ورنہ گناہِ زیست سے گھبرا گئے تھے ہم

یوں چُرا کر آنکھ مت گزرا کریں
بے رُخی بھی آرزو بن جائے گی

دل کی مجبوریوں کو اے حسرتؔ
شوقِ بے اختیار کیا جانے

بیاں کرتا ہوں اُن سے دردِ دل میں اس لئے ہر دم
خُدا جانے دُعا کس وقت کی منظور ہو جائے

نا اُمیدی کی قسم ہے کس کو ارمانِ وصال
اور پھر فرصت کسے ہے انتظارِ یار سے

زندگی موت میں بدل جائے
ایسی قاتل نظر نہیں ملتی

کوئی ارمان حاصلِ ارماں نہیں
ہر تمنّا خون ہوتی جائے ہے

کچھ تسلّی بے کسی دینے لگی
کام کچھ آنے لگے آنسو مرے

شوقِ دل خود بیان ہو جائے
دل بھی گویا زُبان ہو جائے

گردشِ وقت گرائے تو ہمیں
ہم بھی بیٹھے ہیں سنبھلنے کے لئے

اُن کا غُصّہ ہی پیار ہے ورنہ
کس کو غُصّے پہ پیار آتا ہے

دھڑکنیں دل کی تو رُک ہی جائیں گی
اس تھکن میں نیند آ جائے تو ہے

دین ہے اس کی جسے بھی مِل گئی
ہر خوشی کے ساتھ اک سوغاتِ غم

آگ ہی دے دے نشیمن کو مرے
اے دلِ ناکام آخر کچھ تو کر

تھکی ماندی غموں کے بستر پر
زندگی کروٹیں بدلتی ہے

میں کرتا رہوں گا خطا پر خطائیں
کہ لازم نہیں میں تجھے بھول جاؤں

تمھاری بزم میں بیٹھا بھی جائے
اُٹھا دینا ہے اُٹھ کر درد میرا

یوں تو تیری بے وفائی کے کئی انداز ہیں
اِک ترا حُسنِ تغافل جی کو کھائے جائے ہے

موت کی جان بن کے رہتا ہوں
جان دیتا ہوں موت کی خاطر

اپنے اشکوں میں ڈھونڈتا ہوں اُنھیں
کھو گئے ہیں جو دن بہاروں کے

آرزو کا ساز بھی کیا ساز ہے
مختلف پردے ہیں اک آواز ہے

اُلجھے حالات غنیمت تھے مجھے
اور سُلجھا کے اُلجھ بیٹھا ہوں

خاک ہی اچھی رہی انسان سے
کام تو آئی اُڑانے کے لیے

کیا خبر پہنچوں نہ پہنچوں یار تک
میں ہوں اور ناکامیٔ دل ساتھ ہے

قایم رہے جو زندہ دلی زندگی کے ساتھ
کھائیں گے ہم حضور کا غم بھی خوشی کے ساتھ

کفر ایمان ہو چلا ہے شیخ
اِس خوشی میں نماز ہو جائے

عرضِ دیدار پر وہ کہتے ہیں
دیکھ لو آئینے میں مُنہ اپنا

جا کے تو دیکھ میکدے میں شیخ
حُوریں جنّت کی ڈھونڈتی ہیں تجھے

آتشِ غم اور اشکوں کی جھڑی
کھیل ہے کیا آگ پانی کا یہی

گو آئینۂ زیست مرے پیشِ نظر ہے !
میں پھر بھی تری زُلف کے خم دیکھ رہا ہوں

دلِ ویراں کو حاصل ہے سکوں اُجڑے دیاروں میں
چمن میں بھی مگر اہلِ چمن ناشاد رہتے ہیں

کروں کیا میں مُقدّر کی پریشانی نہیں جاتی
نظر میں صورتِ دلبر ہے پہچانی نہیں جاتی

کہتے ہیں موت کا ٹھکانا کیا
آزمائش کا کوئی وقت بھی ہے؟

وقت کی آغوش ہو یا موت کی
بے سہارے کو سہارا چاہیے

کتنی دلکش ہے تیرے بندھن کی ڈور
جتنا کھینچو اور کھنچتی جائے ہے

سنا کرتا ہوں باتیں سب کی لیکن اُف نہیں کرتا
کرے بھی کیا کوئی حسرتؔ اگر مجبور ہو جائے

آرزو ہے کہ آرزو کا مذاق
یا کوئی اہلِ آرزو ہی نہیں

جن کو منزل کا پتہ کچھ بھی نہ تھا
چلتے چلتے خُود ہی منزل بن گئے

بے خُودی میں خُودی کا خوف بھی ہے
اُن سے نظریں ملاتے ڈرتا ہوں

ہو گی تُو اس جہان کی گردش
مُجھ کو کیا اس جہان سے مطلب

لِکھا نصیب کا کیا ہے نظر پڑے تو کہیں
کتابِ زیست اُٹھائی ہے دیکھنے کے لئے

ہم لوگ ہیں ایسے افسانے
جو یاد بھی ہیں اور یاد نہیں

اے غمِ جاناں اِدھر بھی اک نظر
ہم بھی تیرے درد کی تصویر ہیں

یہ اِرادہ ہے آج کل اپنا
آج کی آج کل کی کل جانے

تیری فُرقت کی رات ہے ورنہ
نیند کانٹوں پہ بھی میسّر ہے

تُو بھی دل کو اُبھار لے حسرتؔ
آدمی ڈوب کر اُبھرتا ہے

ہم مسافر ہیں ایسی منزل کے
جس کا رہبر ہے یہ دلِ ناکام

عجب انتہائے محبّت ہے حسرتؔ
کہ ہر انتہا حاصلِ ابتدا ہے

لاکھ لینے کا ایک لینا ہے
دل میں جو درد لے لیا میں نے

محبّت مُجھے راس یوں آ رہی ہے
جو وہ چاہتے ہیں وہ میں چاہتا ہوں

دل لیا ہے تو پیار سے رکھنا
یہ محبّت کا پالا پوسا ہے

کسی کی بے وفائی کا گلہ کیونکر کرے حسرتؔ
اُسے ہر حال اپنے دل کو سمجھانے کی عادت ہے

کھینچیے مت اس قدر آخر یہ دل کے تار ہیں
ٹوٹ جاتے ہیں بہت نازک ہے سازِ زندگی

بہت دل کے ارمان نکلے ہیں حسرت
خطا کرتے کرتے سزا پاتے پاتے

دیکھ حسرت زمانے کی اٹکھیلیاں
ایک خنجر بکف، سرنگوں دوسرا

مرے درد کا اور درماں بھی کیا ہے
اسی کو مسیحا بنانا پڑے گا

شکر کرنا بھی سیکھ لے حسرت
ہر مصیبت ہے شکر کے قابل

مجھے اعتبارِ محبّت نہیں ہے
محبّت نے مجھ پہ بھروسا کیا ہے

جانے کیوں دیکھ کر اُداس مجھے
وقت کی چال پڑ گئی (ضیمی)

سانس کتنے آ چکے ہیں کتنے باقی اور ہیں
جوڑ تو ہم لیں گھٹانے کے لیے کتنے گنیں؟

قیامت کی حسرت بھری زندگی ہے
کہ ہر آرزو اک نئی زندگی ہے

کھل رہے ہیں آج گلشن میں وہ پھول
جن کو احساسِ چمن کچھ بھی نہیں

درد بڑھنے کا غم نہیں حسرتؔ
جب یہ گھٹتا ہے جی سا گھٹتا ہے

بے طلب لینا تھا جو کچھ لے لیا
بے غرض اب جان دینی اور ہے

چھوڑ کر تیرِ نظر کہتے ہیں
یوں اشاروں پہ قضا چلتی ہے

آئے تھے کاٹنے حیات کے دِن
کاٹنی پڑ گئی پہاڑ سی رات

پلا مجھ کو اتنی مئے زندگی!
لہو بن کے آنکھوں سے ٹپکا کرے

یہ تو انسان ہے اک راکھ کی خاصی ڈھیری
یوں تو اک راکھ کی چٹکی بھی دوا ہوتی ہے

اپنا ہوتا ہے جو آتا ہے بُرے وقت میں کام
تم اگر وقت پہ آتے تو بہت اچھا تھا

کیا کہیں اُن کی بات اے حسرت
گر کہیں تو ہمیں پہ آتی ہے

زُلف اُلجھی ہے نہ سُلجھا اے دل
یہ سُلجھنی ہے اُلجھنے کے لیئے

جانتے ہیں وقت کٹ سکتا نہیں
عُمر بھی تو کاٹنی ہے کیا کریں؟

عجب کشمکش ہے خیالوں میں حسرت
خیالِ چمن ہے خیالِ نشیمن

دن تو ڈھلتا ہے رات کی خاطر
کتنی مجبور شامِ غم ہے مگر

کس طرح ہم کسی کے ہو بیٹھیں
کوئی بے درد تو بنے پہلے

نور تو داغِ محبت کا ہے آنکھوں کو نصیب
تابِ دیدار اگر اور عطا ہو جائے!

سحر کو کیا کوئی گلگشتِ باغ کو جائے
کہ لطفِ دید تو بادِ صبا نے لوٹ لیا

رات دن کروٹ بدلتا ہے جہاں
ہم نے کروٹ لی تو لے کر رہ گئے

اِک فریبِ دید کی حسرت لیے
جھوٹ سچ ہم ایک سا سمجھا کیے

ختم ہوتے ہی کہانی نہ چلے جائیے گا
وقتِ آخر بھی مناسب ہے کوئی پاس رہے

کبھی تو ہم بھی سنائیں گے داستاں دل کی
کبھی تو تم بھی کلیجے پہ ہاتھ رکھو گے!

نا اُمیدی میں یہ اُمید بھی ہے
دل جلے گا تو راکھ بھی ہو گا

دامنِ وقت ہاتھ آتا ہے
نیند آتی ہے چھوٹ جاتا ہے

یار کی بات پیار ہی جانے
پیار کی بات یار ہی جانے

کس کو دے یہ زندگی اپنا حساب
زندگی خود ہے حسابِ زندگی

کتنا بے درد ہے یہ دردِ جگر
اپنا ہو کر بھی جان لیتا ہے

رشک آتا ہے اُن اُمیدوں پر
رہ گئیں ہیں جو داغِ دل بن کر

رنج لیے ہیں خوشیاں دیکر
دیکھا لینا دینا ٹھہرا

آپ کیا جانیں علاجِ دردِ دل
جی ہی جانے ہے جو جی سے جائے ہے

رونا دُکھ کا ایسا جیسے
سازِ غم پر سُکھ کے گیت

وقت کی چال دیکھ لے حسرتؔ
دیکھ لے رات دن بدلتے ہوئے

یہ ہے ایمانِ زندگی حسرتؔ
جو وہ کرتا ہے اچھا کرتا ہے

غم کے دیپک تو جلا کرتے ہیں شب کو حسرتؔ
آپ کیا دِن کو بھی اب رات سمجھ بیٹھے ہیں

دل کو ملتی ہے کس قدر راحت
جب کوئی بے قرار ملتا ہے

ایک تُو ہے کہ تیرا سب کچھ ہے
ایک میں ہوں کہ تیرا کچھ بھی نہیں

رازِ مرگِ ناگہاں مت پُوچھیے
زِندگی کا راز بھی کھُل جائے گا

ڈھُونڈتا ہے کامیابی میں شکست
کام کرنا ہے دلِ ناکام بھی

روزِ روشن ہے یا کوئی عاشق
رات کے غم میں ڈوب جاتا ہے

زندگی زندہ دلی کی بات پر
جانے کیا سمجھی کہ آنسو آ گئے

جینے والوں کے لیے کوئی ٹھکانہ نہ سہی
مرنے والوں کو یہ مرنے کا بہانہ تو ہے

بات سوچی کہ دل اُداس ہوا
اپنی سوچی کبھی ہوئی بھی ہے

بھولے من کی بھولی بات
غیر کی سمجھا اپنی بات

اے لبِ خاموش اُن سے کیا گلہ
اُن سے کہنا یا نہ کہنا دو۲ نہیں

لُوٹ لو جی بھر کے لیکن سوچ لو
سُونے گھر میں کیسے رہ پاؤ گے تم

غم تو چھپّر پھاڑ کر دیتے ہیں آپ
خُوشیاں دیتے ہیں کلیجہ پھاڑ کے

جان لینے کا لُطف لیتا تھا
زیست کو موت کی دُعا دیکر

بڑھا وا دیتی ہے دنیا خُمار چڑھتا ہے
شراب ملتی ہے ہم کو شراب پیتے ہیں

خبر لے جلد ساقی ورنہ میخانہ ہے ویرانہ
خُماروں کے اثر سے جانکنی ہے بادہ خواروں میں

ہُوا ہے کبھی ظُلم کا فیصلہ
جو اُمّید رکھّیں قیامت کے بعد

عشق عاجز مزاج ہے حسرتؔ
کاش ہم بھی غرورِ غم کرتے

لے تو لیں ہم کسی کا غم حسرتؔ
کوئی غم دے کے بھُول جائے اگر

امتحانوں سے گزر جاتی ہے
سانچ کو آنچ نہیں آتی ہے

دیکھ لے اپنے باغِ عالم کو
اُجڑی بستی اگر نہیں دیکھی

کسی بہانے تو نکلا غُبارِ دلِ حسرت
نہ روئے آپ تو اوروں کو دیکھکر روئے

دلِ ویراں کو دیکھ کر حسرت
یاد آجائے ہے بھرے گھر کی

کیسی اُمیدِ نا اُمیدی ہے
تم کو اپنا سمجھ لیا میں نے

کیا بتائے گا وہ رونے کا سبب
جس کو رونے کا بہانہ چاہیے

ہم تو محتاجِ آب و دانہ ہیں!
کہیں لے جائے گردشِ دوراں

مسکراہٹ پہ جائے وہ حسرت
جس نے جھوٹی ہنسی نہ دیکھی ہو

اور کیا ہے یہ انتظار ترا
ٹوٹی اُمید کی تسلّی ہے

میں تو لکھتا ہوں تم مٹاتے ہو
جیسے پنسل ہوں میں ربڑ تم ہو

نہ سہی وہ اگر نہیں آئے
اُن کے آنے کا انتظار تو ہے

ہم تو آئے تھے آپ سے ملنے
آپ چلمن گرا کے بیٹھ گئے

زندگی ہے تو غم اٹھاتی ہے
جان ہے تو جہان ہے حسرت

نہ ڈھونڈ اے دل شریکِ غم کوئی اپنا زمانے میں
جو ہیں دکھ درد کے ساتھی بڑے بے درد ہوتے ہیں

گنگناتا ہے کوئی اے حسرت
چھیڑ کر میرا سازِ تنہائی

مرے پاس کیا ہے جسے اپنا سمجھوں
یہ دل دے رہا ہوں تمہارا سمجھ کر

پُوچھ مدہوشیوں سے اے حسرت
اُن کے عہدِ شباب کی باتیں

بھلا ہو ترا اے سِتم کرنے والے
نکھار آ گیا ہے وفاؤں پہ میری

رین پڑی تو تم نہیں آئے
بھور بھئی تو بیتی عُمریا

حالِ دل اب کہا نہیں جاتا
سُننے والے مجھے مُعاف کریں

کس توقّع پہ ہنسیں ہم حسرتؔ
اشک بہہ نکلے ہیں ہنستے ہنستے

زمانے کی ندیا بہی جا رہی ہے
وہ ندیا کہ جس کے کنارے نہیں ہیں

آپ نے پوچھا تو کہنا ہی پڑا
ورنہ حالِ دل کہا جاتا نہیں

اُس کی رحمت کا تذکرہ حسرت
دلِ بے مدعا سے کیا کرنے

مطمئن کیوں ہو گئے خاک نشیمن دیکھ کر
کیا خبر اس خاک میں برق و شرر پنہاں نہ ہوں

عرض کرنے کو جب اُٹھتی ہے نظر
تیرے گھونگھٹ کا خیال آ جائے ہے

دل جسے کہتی ہے دُنیا دل نہیں
یہ بشر کی حسرتوں کا نام ہے

اپنی آنکھوں کو پھوڑ لے حسرتؔ
گر حجابِ نظر نہیں اُٹھتا

زندگی کے چار دن بھاری نہیں
بارِ ارماں دل پہ گر ہلکا رہے

ہم فقیروں سے برہمی کیسی
مانگنے والا مانگتا ہی ہے

زندگی کے سوال کا حسرت
موت ہی سے جواب ملتا ہے

نظر جانے پھر یہ کسے ڈھونڈتی ہے
یہ دُنیا تو ایسی نہیں جس کو ڈھونڈے

منزلِ مقصود ہے حسرت وہی
ہم سفر کے ساتھ جو کٹ جائے ہے

یہ کوئی اور ہیں جو جیتے ہیں
مرنے والے تو مر مٹے حسرت

غیر اپنوں کو سمجھ لیں کیسے

غیر جب اپنے نظر آتے ہیں

ضرورت بدل جائے ہے جب بشر کی

بشر بھی ہو جب بدل جائے ہے

زندگی کا پیٹ بھرنے کے لیے

ایک ٹکڑا آس کا کافی رہا

جب سناتا ہوں وہ نہیں سنتے

نہ سناؤں تو جان لیتے ہیں

تم آؤ تو ہاتھوں میں شمشیر لے کر
محبت، محبت کو پہچان لے گی

کتنی انجانے میں باتیں ہو گئیں
پھر بھی بیگانے کے بیگانے رہے

کریں اُن سے ہم شکوۂ جور کیسے
جفا کر رہے ہیں وفا لگ رہی ہے

اب تو حسرت نا اُمیدی کے طفیل
اُن کے وعدے پر یقیں آنے لگا

نصیب ہم کو ہے اب اس گلی کی راہِ گزر
"ادب سے جھک کے جہاں آسماں گزرتا ہے"

آہ بھرتا ہوں تو حسرت مراجی ڈرتا ہے
کون جانے مری آہوں میں اثر ہے کہ نہیں

ہم بھی ارمانِ ستم رکھتے ہیں!
اس قدر حق تو ہمیں ہے حسرتؔ

مجھ کو کیا اپنے مقدر کے اندھیروں سے غرض
جب وہ بیٹھا ہے مرا چاند ستاروں والا

کھول دے اپنا بھرم اے اِنسان
چُپ رہا تُو تو بھرم ٹُوٹے گا

پہلے اس کے کہ تم سُنو میری
بھوُلنے دو مجھے جو کہنا ہے

یہ باغباں کی ہے تنظیم ہم کو کیا حسرت
بچھائے راہ میں کانٹے کہ پھُول برسائے

میری خود داری کو بھی دیکھ غرُورِ دولت
جُھک کے بھرتی ہے صراحی مرے پیمانے کو

موت کا وقت بتا دوں کیسے
خواہشیں راز ہوا کرتی ہیں

دشمنِ جاں تو کم نہیں حسرت
دل سا دشمن مگر نہیں کوئی

جلتے ہیں حُسن کی نرمی سے چراغ
گرمیٔ حُسن سے بجھ جاتے ہیں

میری تنہائی کا عالم اور ہے
پاس میرے میرا عالم اور ہے

وہ تبسم جو اشک میں چمکے
زندگی وہ جو غم سے ڈھل جائے

دم کا کیا اعتبار اے حسرت
آرزو ہے نہ جانے کب نکلے

مقصدِ زیست ہی رونا ہے اگر
کیوں نہ ہنس ہنس کے بہائیں آنسو

جھوٹا وعدہ بھی ہجر میں حسرت
غمگساری کا کام کرتا ہے

کھیل کو کھیل کی طرح سمجھو
جان پر کھیلنا نہیں مُشکل

ہمیں راس آجائے ہے یہ زمانہ
زمانے کو ہم راس آئیں نہ آئیں

کام لے کر اِس دلِ ناکام سے
نامُکمّل کام پُورا کر لیا

خُوشی کے نام سے وابستہ ہو گئے اتنے
ذرا سی غم میں کمی آئی ہم خُوشی سمجھے

ہر خواہشِ انساں کا اُلٹا ہی اثر دیکھا
مرنے کی تمنّا تھی، جینے کی دُعا مانگی

ہارنی پڑتی ہے بازی جیت کر
جیتنے کا سلسلہ جاری رہے

کب تلک دُنیا رہے مہماں نواز
کب تلک دُنیا کے ہم مہماں رہیں

طاقتِ پروانہ آخر کیا کرے؟
کھائے جائے ہے زمانے کی نظر

موت کا خوف اُٹھتا جاتا ہے

دے نہ اے زندگی سزائیں اور

عجب دلکشی ہے زمانے کی حسرت

کسی کو کسی سے لگاوٹ نہیں ہے

آسرا گو ترا رہا قائم

عُمر تو کٹ گئی محبّت میں

پیار کی رسم نہ بدلیں صاحب

آپ بگڑا نہ کریں ہنس ہنس کر

رنج و راحت کے درمیاں تو دیکھ
راہِ منزل کے ڈھونڈنے والے

رازداں کیسے کوئی دل کو بنا لے حسرت
دل یہ اپنا بھی نہیں اور پرایا بھی نہیں

مسکراہٹ میں تیری اے دنیا
میرے اشکوں کا رازِ پنہاں ہے

روز کہتا ہوں یہی بزم سے اٹھ کر تیری
اب نہ آؤں گا کبھی شوقِ تمنا لے کر

بات تیری نہ سہی اے حسرتؔ
تیری عادت سے تو وابستہ ہے

رین اندھیری جگنو آ شا
چمک چمک بیری بھرمائے

کوئی حسرت نہیں مگر حسرتؔ
خود کو حسرت شمار کرتے ہو

توڑ دیں کس طرح امیدِ ستم
آس تو دل کے ٹوٹنے تک ہے

کون کہتا ہے اُن سا کوئی نہیں
اُن سے بڑھ کر ہے آرزو اُن کی

پاس بیٹھے ہو اور پاس آؤ
ابھی باقی ہے منزلِ قربت

ہم غریب الوطن سہی حسرتؔ

دل میں اپنے کسی کا گھر تو ہے

بد دُعاؤں میں کچھ تو ہے تاثیر

ہاتھ اُٹھنے لگے دُعا کے لیے

اچھّی ہوتی ہے بُرے وقت کسی کی شرکت

کام آتی ہے مُصیبت کو سمجھنے کے لئے

خُوب ہے حسرتؔ دوائے دردِ دل

ڈُھونڈتے ہیں ہم کسی بے درد کو

کیلاش پر تلاش کیا جس کو عمر بھر
دیکھا تو نیل کنٹھ ہمارا ہی ضبط تھا

خار و گل میں نہیں کوئی تمیز
نام دونوں کا زندگانی ہے

شب فراق تو آنکھوں میں کاٹ دی لیکن
سحر قریب ہے نیند آ گئی تو کیا ہو گا؟

وقت بے وقت کا دور چلتا رہا
وقت پڑتا رہا وقت ٹلتا رہا

یہ کہہ کر سیے لب محبّت نے حسرتؔ

کہ گھر کی کوئی بات گھر سے نہ نکلے

ستاروں سے کہدو نہ اب جھلملائیں

مری آرزو کے دیئے بجھ گئے ہیں

یہ گردش بھی کیوں ساتھ چھوڑے ہمارا

زمیں چل رہی ہے ہمیں ساتھ لے کر

ہمیں کیا خبر دل میں اُلفت ہے کس کی

خبر ہو گی اُس کو یہ دولت ہے جس کی

کونسی منزل میں ہوں راہِ سفر کتنی ہے اور

اپنی تنہائی سے اکثر پوچھتا رہتا ہوں میں

شانِ قدرت کی دین ہے ہستی

روزِ محشر نہیں ہے شانِ حیات

ستمِ ناروا کا کیا شکوہ

حسبِ معمول کی شکایت کیا

سمجھ سکا نہ ابھی تک یہ رشتۂ دُنیا

جہان میرے لیے ہے کہ میں جہاں کیلئے

چمک بہت دی اندھیروں کو حُسن نے حسرتؔ
دیے تلے کا اندھیرا مگر مِٹا نہ سکا

بڑھ گیا اور بھی اندازِ تغافل اُن کا
وہ سمجھتے ہیں کہ ہم اُن کو منا سکتے ہیں

اُن کو آنچل سے مُنہ چُھپانے دو
بدلی کب تک چُھپائے گی چندا

دُور جانا کسی سے اے حسرتؔ
پاس آنے کا اِک بہانہ ہے

مزارِ دل کی یہ گہرائیاں معاذاللہ
سما گئی ہیں تمنائیں بے کفن کتنی

غرض گُھر ہی سے نہ رہبر سے مطلب
سلامت رہیں خارِ راہِ محبّت

جانے کیا آئے تھے کہنے آپ سے
جانے کیوں واپس چلے گیا سوچکر

کیا ہوا، انکار کر بیٹھے تھے کل
آج بھی انکار کر سکتے ہیں آپ

راز کھلتا ہے کرم کا تیرے
ہم کو محروم کرم رہنے دے

بھروسہ کسی کا کہاں آج حسرت
دلِ بے سہارا ہی اک آسرا ہے

دُنیا اک ہیر پھیر ہے حسرت
اور کیا ہیں یہ کُوچہ و بازار

صرف غم ہی نہیں ہے قدرتِ یار
اُس کی قدرت کی شان ہم بھی ہیں

محوِ خواب و خیال ہے ہستی
بڑا مُشکل ہے آنکھ کا کھُلنا

آپ آئے تو آگئی رونق
شمس نکلے تو کیوں نہ دن نکلے

رکھ تو بیٹھے آئینہ وہ رُوبرو
مُنہ چھُپانا اُن کو مشکل پڑ گیا

کیا سنائیں ہم انھیں قصۂ غم اے حسرت
سُن کے ہنس دیں گے ہمیں اور رُلانے کیلیے

رُخ سے آنچل کے سرکنے سے پریشاں کیوں ہو

خاطرِ پرنم مری حسرتِ دیدار تو ہے

دلِ ویراں کی بات جانے دو

گھر بسانا کسے نہیں بھاتا

وہ ستم کرتے ہیں حسرت تو شکایت کیسی

چیز اپنی ہی تو ہوتی ہے پرکھنے کے لئے

رگ رگ میں تو رام بسے ہیں

نام مگر ہنومان کہتے ہیں

جیت سکے تو جیت لے گوری
ہار کے جیون ساجن آ گے

کھا کے قسم برہا کی حسرت
نِکلی گوری پی کے مِلن کو

کس نے کھولی ہیں بام پر زُلفیں
سایہ دیوار و در پہ پڑتا ہے

ٹالتے ہی رہے ہمیں موقع
یہ سمجھ کر کہ یہ نہیں موقع

آئینہ دل کا صاف کرتا ہوں
دامنِ تر نچوڑ کر اپنا

خوب آئے ہیں آپ موقع پر
سانحہ موقع بھی آپ کے آیا

کسی کی آرزو لے کر بھلا ہم کیا کریں حسرت
دلِ ویراں کو کیا حاصل اگر آباد ہو جائے

دل ہے میرا بہار ساون کی
غم کی برسات ہوتی رہتی ہے

ڈھونڈ کر ہار کامیابی میں
حل کیے ہیں سوال جیون کے

فریبِ آرزو کا آسرا ابھی دیکھ اے حسرت
کہ ہر دھڑکن پہ دل کی جانب در دیکھ لیتا ہوں

جہاں کی بے رُخی کے ہر نئے انداز پر حسرت
سُخنور کے خیالوں میں نئی اک جان پڑتی ہے

آ تو پہنچے ہیں یہاں تک ہم مگر
یہ کہاں تک ہے خبر کچھ بھی نہیں

چار تنکوں کا آشیاں ہے مگر
بجلیوں کو پناہ دیتا ہے

دوائے دردِ محبت ملی تو ایسی ملی
کہ نامِ دردِ محبت ہی رہ گیا مٹا کر

اس قدر ہے زندگانی محوِ تسلیم و رضا

ہر گنہ گویا ہوا وابستہ رضائے یار سے

وقت کے ساتھ باندھ کر خود کو

بندھ گئی زندگی قیامت تک

ایسے بیٹھے ہیں تیری محفل میں

جیسے ہم بِن بُلائے آئے ہیں

ابھی تک نظر میں ہے خُلدِ مجسّم

نظر بھر کے دیکھا تھا ہم نے کسی کو

ہماری تشنہ لبی کام آ گئی ورنہ . . !

بُجھائیں پیاس کسے ہوش تھا بہاروں میں

نہ اُٹھا اُن کے سِتم کا پردہ

رہنے دے اپنی وفاؤں کا بھرم

کچھ بھی ہو وقت کی یہ کڑ حسرت

آدمیّت کھری اُترتی ہے

ایک پتّھر کے جگر کی خاطر

انگنت شیشۂ دل حاضر ہیں

سمجھ کر بھی دُنیا سمجھتی نہیں

کہ عادت بُری ہے کہ انساں بُرا

تیری چشمِ کرم کا کیا کہنا

وہی مجرم ہے جس پہ پڑ جائے

تیری رحمت کا کچھ شمار بھی ہے
جو گناہوں کو ہم حساب کریں

اس قدر ہے تیزیِ رفتارِ آدم آجکل
تھک کے رہ جاتی ہے اکثر گردشِ ایّام بھی

بے رُخی صرف اک بہانہ ہے
ورنہ اُن کو کسی سے کیا مطلب

دشمنی میں بھی دل کشی دیکھی
زندگی جائے ہے اجل کی طرف